پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران
استاد شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر
استاد شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

علی سردار جعفری: ترقی پسند تحریک کا دست کار آفریں

Prof. Dr. Shahid Iqbal Kamran
Department of Iqbaliat, AIOU, Islamabad.
Dr. Noreena Tehrim Babar
Associate Professor, Department of Urdu, AIOU, Islamabad.

Ali Sardar Jafari: The hardworking hand of Progressive movement

Ali Sardar Jafari belonged to a group of young people whom Syed Sajjad Zaheer called "the young progressive group of Aligarh". He never avoided any sacrifice for the progressive cause. In his youth, he was expelled from the university because of his political activities. World War II and its aftermath expanded the concept of freedom and expanded it from social and economic independence, inequality and oppression to freedom. Ali Sardar Jafari fought all his life. . The biggest title of his poetic temperament seems to be rebellion. Attention to purpose does not allow him to be just a poet. He emerges as a reformer, a politician and a rebel. Ali Sardar Jafari's intellectual training is a great part of Allama Iqbal's thought and art. And the meanings of the Iqbal's Persian poetry were imprinted on his mind. Ali Sardar Jafari was a believer and admirer of the greatness of hardworking hands. He fought for the rights of the working class all his life. This is also the main theme of his poetry.

Key words: *Progressive, Aligarh, Sacrifice, Political, Persian.*

ہر خواب کی کوئی تعبیر بھی ہو، یہ ضروری نہیں، لیکن ہر بڑی تعبیر کے پیچھے ایک بڑا خواب ضرور ہوتا ہے۔
ادب کی ترقی پسند تحریک ایک آزاد، روشن خیال اور برابری کی بنیاد پر استوار زندگی کی تشکیل کا وہ خواب خیال کی جا سکتی

ہے، جس کی حقیقی تعبیر کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ یوں ترقی پسند تحریک اپنے احوال کے اندرونی و بیرونی تغیر کے باوجود، اپنی معنویت، ضرورت اور اہمیت کے اعتبار سے آج بھی اتنی ہی بامقصد، بامعنی اور ثروت خیز ہے، جس قدر کہ گزشتہ صدی کی تیسری دھائی میں اپنے آغاز اور بعد ازاں اپنے ارتقاء کے دور میں تھی۔

ادب کی ترقی پسند تحریک کا آغاز و ارتقاء برصغیر کی سیاسی و سماجی تاریخ کے نہایت فیصلہ کن دور میں ہوا۔ ملکی سیاست پختہ اور سیاستدان بالغ نظر ہو چلے تھے۔ برطانوی طرز جمہوریت کے برصغیر جیسے کثیر القوی خطے میں حال اور مآل پر سب کی محتاط نظر تھی۔ کامل آزادی کا خواب ہر آنکھ میں سمایا ہوا تھا۔ انگریزی اقتدار سے بے زاری کا برملا اظہار ہر نوجوان کا شیوہ تھا۔ اجتماعی شعور کی نمائندگی کرنے والا اقبال اپنے ابلاغ کے دور عروج سے گزر رہا تھا۔ ۱۹۲۳ء پیام مشرق، ۱۹۲۴ء بانگ درا، ۱۹۲۷ء زبور عجم، ۱۹۳۲ء جاوید نامہ، ۱۹۳۳ء مثنوی مسافر، ۱۹۳۵ء میں بال جبریل، ۱۹۳۶ء ضرب کلیم یعنی اعلان جنگ دور حاضر کے خلاف منظر عام پر آچکے تھے اور ایک پوری نسل کو شدت سے متاثر کر چکے تھے۔ کچھ یہی دور (یعنی ۱۹۳۳ء) ہے جب بیس برس کا ایک نوجوان لکھنؤ سے علی گڑھ پہنچا۔ یہ وہ دور تھا جب ترقی پسند ادب کی تحریک کے اولین نقوش بن رہے تھے اور ادب اور سیاست مل کر ایک ہوئے جا رہے تھے۔[۱] علی سردار جعفری کے ساتھ اختر حسین رائے پوری، سبط حسن، حیات اللہ انصاری، سعادت حسن منٹو، اسرار الحق مجاز، جاں نثار اختر، آل احمد سرور، سب وہاں کے طالب علم تھے۔[۲] سجاد ظہیر ان سب کو "علی گڑھ کا نوجوان اور ذہین ترقی پسند گروہ" کہتے ہیں۔[۳]

اس دور میں اس ذہین اور ترقی پسند گروہ کی ذہنی کیفیات کیا رہی ہوں گی، علی سردار جعفری وضاحت کرتے ہیں:

> "بیشتر ترقی پسند ادیب اس رومان مزاجی دور سے گزر رہے تھے۔ ہمارا گروپ ایک طرف تو اس بیرونی حکومت کے خلاف تھا جس نے دو سو برس سے ہمارے ملک اور قوم کو غلام بنا رکھا تھا اور دوسری طرف اس خاندانی شرافت اور رسم و رواج کے خلاف جو ہماری بے باک فطرتوں کو انگڑائی نہیں لینے دیتا تھا۔ چونکہ ہمارا تعلق کسی منظم سیاسی جماعت سے نہیں تھا اور ترقی پسندی تنظیم کم اور تحریک زیادہ تھی۔ اس لیے ہم اپنی من مانی کرنے کے لیے انفرادی راستے اختیار کرتے تھے۔ صاف ستھرے ڈرائنگ میں بیٹھ کر بیٹری پینا، شراب خانے میں نظمیں سنانا، چوراہوں پر کھڑے ہو کر سیاسی تقریریں کرنا، کتابیں اور رسالے شائع کرنا اور پھر علماء اور پروفیسروں سے ٹیڑھے ٹیڑھے مباحثے کرنا بے چین روحوں کی تسکین کا سامان تھا۔"[۴]

لیکن وقت آگے بڑھتا ہے بے چین روحوں کی تسکین کا انداز بدلنے لگا ہے۔ سجاد ظہیر لکھتے ہیں کہ ''مسلمان نوجوانوں میں ترقی پسندی کو انگریزی سرکار بالخصوص اپنی اجارہ داری پر حملہ تصور کرتی تھی۔ اس لیے اس سے اور یونیورسٹی کے اصحاب اقتدار سے ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ چنانچہ علی سردار جعفری اور کئی اور ترقی پسند لڑکوں کو کسی بہانے یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔''(۵)

ساجد رشید اپنے مضمون ''رومانی انقلاب کا آخری سالار'' میں نوجوان علی سردار جعفری کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اخراج کی وجوہ پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں:

> "سردار جعفری اپنی کم سنی ہی سے باغی تیور رکھتے تھے۔ وہ ایک متمول زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے لیکن کارل مارکس نے ان پر ایک نئی دنیا کو منکشف کیا تھا۔ جہاں بھوک نہیں تھی، غربت نہیں تھی، استحصال نہیں تھا بلکہ کائنات میں معلق اس ذرے کو جنت سے نکالے گئے ملعون انسان کے جینے لائق ایک بہتر دنیا بنانے کا ایک مجنون خواب تھا... اسی نئی دنیا کے خواب کو لے کر وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے تھے جہاں دو قومی نظریے کی گرم ہوا نے پوری یونیورسٹی کے طلباء کو دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بڑا گروہ تو پاکستان نواز تھا تو ایک چھوٹا گروہ ''نیشنلسٹ'' مسلمانوں کا تھا۔ ظاہر ہے کہ فرقہ واریت کی سیاست کے اس طوفان میں ایسے روشن خیال طلباء کا اپنے نظریات پر ثابت قدم رہنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ سردار جعفری نام کے اس نوجوان طالب علم کا مقام آخر الذکر قسم کے طلباء میں بہت نمایاں تھا۔ ۱۹۳۶ء میں انھیں انگریز سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کے جرم میں یونیورسٹی سے نکلنا پڑا تھا۔ یہاں سے وہ لکھنو یونیورسٹی پہنچے جہاں سے انھیں جیل بھیج دیا گیا۔ جرم وہی۔ انگریز سامراج مخالف سرگرمیاں۔"(۶)

یہ ذہین نوجوانوں کی بغاوت کا پہلا صلہ تھا جو تعلیمی اداروں سے اخراج کی صورت میں انھیں ملا۔ بغاوت کے امکان کو کم کیا جا سکتا ہے، لیکن بغاوت کو کچلنا، اس کی پرورش کرنے کے برابر ہے۔ خاص طور پر اس دور میں۔ سجاد ظہیر اس عہد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۳۹ء کے ختم تک کا زمانہ (جب دوسری عالمی جنگ کا آغاز ہوا) ہمارے ملک میں نئے خیالات، انقلابی تحریکوں، بلند عزائم اور جھلملاتی امیدوں کا زمانہ تھا۔ یوں تو سامراجی محکومی کے دور میں کوئی بھی وقت ایسا نہیں آیا جب ہماری قوم کے

دل سے آزادی کی لگن مٹی ہو۔ بغاوت بار بار ہوتی رہی، بے اطمینانی، مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ بیرونی تسلط کے خلاف نفرت اور غصے کا مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا رہا۔ بیرونی حکمرانوں کا ساتھ دینے والے اور ان کے ساتھ مل کر خود اپنی قوم پر سختی اور ظلم کرنے والے حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے۔"(۷)

اب اگر ایک طرف کامل آزادی سیاسی مطمع نظر قرار پایا تو اس آزادی کے مفہوم میں بھی وسعت آئی۔ سجاد ظہیر وضاحت کرتے ہیں:

"آزادی کے یہ معنی بتانے جانے لگے کہ بیرونی سامراجی اقتدار اور استحصال سے نجات حاصل کر کے ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کیا جائے جس میں حکمرانی محنت کش عوام کے ہاتھ میں ہو، ان کی لوٹ ختم کی جائے اور ذرائع و وسائل پیداوار ان کے قابو میں ہوں تاکہ تعاون اور اشتراک کی بنا پر دولت کی پیداوار ہو اور انصاف کے اصولوں پر اس کی تقسیم۔"(۸)

کچھ یہی وہ خواب رہے ہوں گے جن پر علی سردار جعفری اور ترقی پسند تحریک کے اس دور اولین کے بانیان نے اپنے ہنر کے لیے عنوان منتخب کیے۔ آزادی سب کا مشترکہ خواب تھا اور جدوجہد کا عنوان بھی لیکن کیا یہ آزادی صرف انگریز حکمرانوں کے تسلط سے تھی؟ یا پورے سماجی ڈھانچے سے، جس نے کمزور طبقات کو اپنی بے رحم گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس عہد میں ترقی پسند دانشوروں کا سب سے بڑا کمال یہ رہا کہ انھوں نے آزادی کے معنوں کو وسعت دیتے ہوئے اسے محض سیاسی آزادی کے حدود سے نکال کر سماجی، مذہبی اور معاشی آزادی کے تصور تک وسعت دی۔ گویا یہ زندگی کے رواں دواں چلن کے خلاف ایک ہمہ جہت بغاوت کا سامان تھا۔ علی سردار جعفری کے شاعرانہ مزاج کا سب سے نمایاں تیور، سب سے بڑا موضوع اور سب سے جلی عنوان صرف اور صرف "بغاوت" دکھائی دیتا ہے۔ دیکھیے علی سردار جعفری کیا کہہ رہے ہیں:

بغاوت میرا مذہب ہے ، بغاوت دیوتا میرا
بغاوت میرا پیغمبر ، بغاوت ہے خدا میرا
بغاوت رسم چنگیزی سے ، تہذیب تتاری سے
بغاوت جبر و استبداد سے ، سرمایہ داری سے
بغاوت سرسوتی سے ، لکشمی سے ، بھیم و ارجن سے
بغاوت دیویوں اور دیوتاؤں کے تمدن سے

بغاوت حریت کے دیوتا کا آستانہ ہے
بغاوت عصر حاضر کے سپوتوں کا ترانہ ہے

تسلیم و رضا علی سردار جعفری کے مزاج کا حصہ نہیں۔ یعقوب یاور علی سردار جعفری کی باغیانہ شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جوش ملیح آبادی کے یہاں بغاوت رومانیت میں پناہ لیتی ہے۔ سردار جعفری کے یہاں بغاوت کے پیچھے زندگی جلوہ افروز ہوتی ہے۔ ان کی باغیانہ شاعری کا سفر بہت طویل بھی ہے اور نئے نئے تجربات کی جولا نگاہ بھی۔ ان کی بغاوت میں سرمایہ داری اور سماجی نابرابری اور جبر کی طاقتوں کو پامال کرنے کا ایک تعمیری جذبہ کار فرما ہے۔"(۹)

مقصدیت کی طرف حد درجہ توجہ، علی سردار جعفری کو صرف شاعر نہیں رہنے دیتی۔ وہ اشتراکیت کے مبلغ، متحرک اور بے چین سیاست دان اور بے رحم مورخ بھی بن جاتے ہیں۔ علی سردار جعفری انسانی عظمت اور برتری کے سامنے سب کو ہیچ خیال کرتے ہیں۔ یہ تاثر انھوں نے اقبال سے اخذ کیا ہے۔ ان کی ذہنی تربیت میں اقبال کے فکر و فن کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ وہ فارسی زبان و ادب کے رمز شناس تھے۔ اقبال کے مصادر سے واقف و آگاہ۔ اسرار و رموز سے لے کر پیام مشرق تک اور زبور عجم سے لے کر جاوید نامہ تک سب کے حوالے نوک زبان پر تھے۔ علی سردار جعفری اقبال کے تصور خودی سے بے حد متاثر اور انقلاب روس کے سال یعنی ۱۹۱۷ء سے متصل سال ۱۹۱۸ء میں منظر عام پر آنے والی مثنوی رموز بے خودی کی سیاسی و عمرانی وسعت اور معنویت کے معترف۔ وہ انسان، کائنات اور خدا کی تکون میں اقبال کی طرح انسان کی مرکزیت کے قائل تھے۔ علی سردار جعفری اقبال کے تصور عظمت انسانی کی اہمیت انداز میں میں تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"صوفیائے کرام کے یہاں گلاب اللہ کے حسن مطلق کا اشارہ ہے۔ اقبال کے کلام میں لالہ کا پھول دراصل انسان کی عظمت کا اشارہ ہے اور انسان اور خدا کا جو رشتہ اقبال نے قائم کیا ہے وہ اس سے پہلے کسی نے ایسی خوبصورتی اور اس حسن اور اس طاقت کے ساتھ پیش نہیں کیا کہ انسانی اصل بندہ مولا صفات ہے۔"(۱۰)

اس انسان کی آزادی، خود مختاری، خوشی اور آسودگی کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو نابود کرنا علی سردار جعفری اپنا فرض عین خیال کرتے ہیں۔

عمومی طور پر اقبال کے حوالے سے یہ تاثر عام کرنے کی منظم کوشش کی جاتی رہی کہ اقبال ایک رجعت پسند مذہبی شاعر ہے اور اس کا روشن خیالی اور ترقی پسندی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تاثر کو تقسیم ملک کے بعد پاکستان

کے مذہبی سیاسی طبقات نے خوب ہوا دی اور اُس نے اقبال کو واقعتاً اپنی تحویل میں لے لیا، جس پر قبل ازیں فتاویٰ تکفیر جاری کیا کرتے تھے۔ تحویل اقبال کی اس واردات کا ایک نقصان یہ ہوا کہ بعض ترقی پسند دانشوروں نے اقبال کے ذکر اور حوالے سے گریز کو شعار بنالیا۔ لیکن سجاد ظہیر ہوں یا فیض احمد فیض، سبط حسن ہوں یا علی سردار جعفری سب اپنی ذہنی تربیت، فنی بلوغت اور نفسیاتی ترقی میں اقبال کے حصے کا ہمیشہ برملا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مظہر جمیل اپنے مضمون ''سردار جعفری اور اقبال شناسی'' میں لکھتے ہیں:

"ہوا یہ ہے کہ دائیں بازو کے دانشوروں نے اقبال کے بین الاقوامی وسیع تناظر اور تہہ در تہہ گہرائیوں سے اغماض برتا اور بائیں بازو کے دانشوروں کو اقبال کے اسلامی تشخص میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے ساتھ فسطائی عناصر بھی پریشان کرتے ہیں۔ ان دونوں حلقوں کے درمیان ایک گروہ وہ بھی ہے جو اقبال کی شاعری کو محض تدریسی انداز میں سمجھنے سمجھانے کا کام کر رہا ہے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر دیکھیے تو سردار جعفری کی اقبال شناسی ایک ایسے علمی رویے کی مظہر بن کر سامنے آتی ہے جس کی بنیاد سائنسی اور منطقی استدلال پر استوار ہے۔"(۱۱)

پروفیسر قمر رئیس اقبال کی طرف سردار جعفری کی توجہ، دلچسپی اور وابستگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یوں تو ترقی پسند نظریات کی تشکیل میں انھوں نے فکر اقبال کی اہمیت کا اعتراف اپنی کتاب ''ترقی پسند ادب'' میں بھی کیا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ ۵۵ء کے بعد انھوں نے اقبال کو از سر نو پڑھا اور ایک بار پھر ان کے فکر و شعور اور فن کے باریک پہلوئوں کا سراغ لگایا جس کا ثبوت ان کی اس دور کی شاعری میں بھی ملتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ جوش کی بجائے اس دور میں وہ اقبال سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ جنھوں نے اقبال کی بین الاقوامیت پر اپنے مضامین میں خاص طور پر زور دیا ہے۔ اقبال نے تیسری دنیا اور خاص کر اردو اور فارسی بولنے والی اقوام کو استعماری طاقتوں کی سازشوں سے خبر دار اور بیدار ہونے کا جو پیغام دیا تھا، اس کی معنویت اور ہمہ گیر اثرات کا اعتراف جعفری نے کھل کر کیا ہے۔"(۱۲)

پروفیسر قمر رئیس کا یہ تاثر بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ سردار جعفری نے اقبال کے فکر و شعور اور فن کے باریک پہلوئوں کا سراغ لگایا اور یہ کہ سردار جعفری کی شاعری میں اس تاثیر کا رنگ اس دور کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ یقینی طور پر علی سردار جعفری سجاد ظہیر کے حوالے سے اقبال کے اس تاثر سے واقف ہوں گے کہ مجھے ترقی پسند

ادب یا سوشلزم کی تحریک سے ہمدردی ہے۔ (۱۳) لیکن اس سے بڑی حقیقت خود سجاد ظہیر اور علی سردار جعفری کے علم اور مشاہدے میں تھی کہ اردو اور فارسی ادب میں اشتراکی انقلاب اور اشتراکی زعماء سے دلچسپی اور دل بستگی کا جو اظہار اقبال کے ہاں سب سے پہلے، سب سے موثر اور سب سے باوقار سلیقے سے نظر آتا ہے، اس کی نظیر خود پر شور ترقی پسند شعراء کے ہاں مفقود ہے۔ یہاں پروفیسر قمر رئیس کے اس تجزیے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے کہ:

> "انسانی معاشرہ اور اس کو زیر و زبر رکھنے والی قوتوں کی تفہیم و تعبیر کے لیے مارکسی فکر و فلسفہ سے استفادہ ایک بات ہے اور کیمونسٹ پارٹی کی بدلتی سیاست سے عہدِ وفا باندھنا دوسری بات۔ اب اس سچائی کے اعتراف میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ موخر الذکر ”وفاداری“ پر اصرار نے ادب کو ہی نہیں، ترقی پسند ادب کو بھی ہر زبان اور ہر ملک میں نقصان پہنچایا ہے۔ اس لیے اس کا اعادہ ممکن نظر نہیں آتا۔" (۱۴)

اس اقتباس سے یہ نکات سامنے آتے ہیں، اول مارکسی فکر و فلسفہ سے استفسادہ ایک بات ہے دوم اور کیمونسٹ پارٹی کی سیاست سے عہدِ وفا باندھنا دوسری۔ دونوں کو ایک دوسرے کا متبادل قیاس کرنا درست نہ ہو گا۔ اب مارکسی فکر و فلسفہ سے استفادے کے بھی کئی پہلو اور متعدد صورتیں ہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب مارکسی نقاد یا دانشور بھی مارکسی فکر و فلسفہ پر ”ایمان“ لانے سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ حالانکہ خود کارل مارکس اس بات کا منتظر اور آرزو مند رہا کہ اس کے فکر و فلسفہ کی تعبیر و تشریح کے اسلوب، معیار اور انداز میں مسلسل توسیع ہوتی رہے۔ بایں ہمہ کارل مارکس کے ایک بڑے مسلم مداح اقبال نے ترقی پسند ادب کی تخلیقی راہیں کس طرح کشادہ کیں۔ علی سردار جعفری لکھتے ہیں:

> "میری شاعری میں محنت کش ہاتھوں کی قصیدہ خوانی ہے۔ اردو شاعری میں عاشق کے ہاتھ تھے جو محبوب کا دامن کھینچتے تھے یا اپنا گریبان چاک کرتے تھے۔ معشوق کے ہاتھ تھے جو کبھی حنا سے رنگین ہوتے تھے، کبھی خونِ عاشق سے، ظالم کے ہاتھ تھے، جو تیغ بکف اٹھتے تھے۔ مظلوم کے ہاتھ تھے جو دعا کے لیے بلند ہوتے تھے، مجبور کے ہاتھ تھے جو سرہانے رکھے رہتے تھے۔ سائل کے ہاتھ تھے جو بے بسی سے بھیک مانگنے کے لیے پھیلے رہتے تھے۔ لیکن کہیں دستِ محنت آفریں کا ذکر نہیں تھا۔ وہ ہاتھ جن کے بغیر تہذیب و تمدن کا وجود ممکن نہیں تھا۔ پہلی بار اس کا اشارہ اقبال کی شاعری میں ملتا ہے کیونکہ شاعر مشرق نے طبقاتی کشمکش کو تسلیم کیا تھا اور انسان کو چھوٹے سے پیمانے پر خالق کی شکل میں دیکھا تھا۔ یہ ہاتھ ایک جگہ بندہ مومن کا کارکشا اور کارساز ہاتھ ہے جو مسجد

قرطبہ کی تعمیر کرتا ہے اور دوسری جگہ "دست محنت آفریں" جس کو مزدوری اس طرح ملتی رہی "اہل دولت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوۃ" میری شاعری میں ہاتھوں کا ترانہ میرے مارکسی شعور کی دین اور اقبال کی اس روایت کی توسیع اور تسلسل ہے۔ یہ محنت کش اور خلاق ہاتھ ہیں جو تہذیب و تمدن کی تعمیر کرتے ہیں اور انقلاب کی تلوار بن جاتے ہیں۔"(۱۵)

اقبال کی ہمہ جہت توانائی سے اخذ و قبول اور تعبیر و توضیح و تشکیل جدید کا یہی رویہ علی سردار جعفری کو اپنے معاصر ترقی پسند دانشوروں سے ممتاز کرتا ہے۔

ترقی پسند شعراء میں علی سردار جعفری کا آہنگ نہایت بلند ہے اور یہ آہنگ بھی اپنی ایک توانا بنیاد رکھتا ہے۔ ان کی ایک نظم "جمہور کا اعلان نامہ" کا آغاز بال جبریل میں شامل ساقی نامہ کے چند مصرعوں سے ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی علی سردار جعفری پوری نظم کو اس رنگ میں رنگتے چلے جاتے ہیں:

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیے راگ ہیں ساز بدلے گئے
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمین میر و سلطاں سے بیزار ہے
اُٹھا خاکِ جاوا سے طوفانِ نور
بغاوت نے پھونکا قیامت کا صور
جل اُٹھے غلاموں کے سینے کے داغ
بکنگھم میں گل ہو رہے ہیں چراغ
گرے قصرِ شاہی ، ہلے تخت و تاج
نئی کروٹیں لے رہا ہے سماج
ملے زندگی کو نئے بال و پر
نئی منزلیں ہیں ، نیا ہے سفر
نئے مے کدے مسکرانے لگے
نئے جام گردش میں آنے لگے
نئی صبح ہے اور نیا آفتاب

مبارک زمانے کو یہ انقلاب

ان اشعار سے شروع ہونے والی نظم جب اپنے نقطہ کمال پر پہنچتی ہے تو ساقی نامہ کا رنگ و آہنگ مزید واضح ہو جاتا ہے۔

ہمیں سے ہیں تہذیب کے نقش و رنگ
ہمیں سے تمدن کے دل کی امنگ
مسیحا کے ہونٹوں کا اعجاز ہم
محمد کے سینے کی آواز ہم
ہماری ہی قوت سے چلتے ہیں مل
دھڑکتے ہیں ہم سے مشینوں کے دل
یہ دولت ہے میراث انسان کی
زمین پر حکومت ہے دھقان کی
ملوں پر ہے مزدور کا اختیار
وطن پر ہے جمہور کا اختیار
ہماری کسوٹی ہے انسانیت
اخوت، مساوات اور حریت (۱۶)

تو یہ جوش علی سردار جعفری کے ہاں پایا جاتا ہے یہ اپنی گہری بنیادوں کے ساتھ جڑا ہونے کے ساتھ ساتھ وقت اور مقصد کی ضرورت کو بھی پورا کرتا دکھائی دیتا ہے جب علی سردار جعفری یہ کہتے ہیں کہ:

"میری شاعری خواص کے لیے نہیں بلکہ عوام کے لیے ہے اور میری خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے سمجھ سکیں۔ کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور کھیتوں میں ہل جوتنے والے کسان، اس لیے میں نے بول چال کی زبان کو بنیاد بنایا ہے اور کہیں کہیں بازاری محاورے اور الفاظ استعمال کر لیے ہیں۔"(۱۷)

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو علی سردار جعفری کے ہاں ترسیل معانی اور مقصدیت اہم ہے اور دیگر کوئی شے ان کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی۔ علی سردار جعفری کی کل شاعری کو اگر ایک "پکار" قرار دیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ ان کا آہنگ بلند، پرجوش اور بسا اوقات پرشور کیوں ہوتا ہے۔ معلوم ہے کہ بغاوت کبھی سرگوشی کے سے انداز سے نہیں ہو سکتی۔ علی سردار جعفری اپنے فراواں علم، فزوں تر شعور اور گہری تاریخی بصیرت کی روشنی میں جب

حاضر و موجود کو یکسر تبدیل کرنا چاہتے ہیں کہ تو ان کا انداز جلالی ہو جاتا ہے۔ اس جلال کے سرے بھی اقبال کی معروف نظم "فرمانِ خدا فرشتوں سے" سے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظم کو شعریت سے عاری کہیں، سپاٹ کہیں یا محض نعرے بازی، حاضر و موجود کو یکسر تبدیل کرنے کی لگن میں علی سردار جعفری ہر الزام یا تاثر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ احتجاج، مزاحمت اور جنگ کی آواز ہمیشہ بلند ہوتی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ یہی آواز علی سردار جعفری جیسے منفرد اور مقتدر ترقی پسند دانشور کو زیب بھی دیتی ہے۔ محمد علی صدیقی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> "سردار جعفری، بلاشک و شبہ فی زمانہ ترقی پسند تحریک کے سب سے نمایاں نام ہیں۔ انھوں نے برصغیر میں روشن خیالی کی تحریک کے لیے نہ صرف بہ حیثیت شاعر بلکہ مفکر، محقق، شارح اور مترجم کی حیثیتوں میں جو کام کیا اور بطور صحافی جس جزئیات نگاری اور دور نگاہی کا مظاہرہ کیا ہے وہ صرف اسی شخص کا حصہ ہو سکتا ہے جس کا ذہن صاف، منزل اور فکر انسان دوستی کی ترجمان ہو۔"[۱۸]

ترقی پسند تحریک میں علی سردار جعفری کی مرکزی اور مقتدر حیثیت نے ترقی پسند تحریک اور سردار جعفری کو ہم معنی بنا دیا تھا۔ ایسے میں ترقی پسند تحریک کے مفاخر اگر ان کے تاج کا حصہ بنے تو ترقی پسند تحریک کی بعض ناہمواریوں اور ناکامیوں کے لیے بھی ان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی گئی۔ ساجد رشید کا یہ تاثر درشت لیکن قابل توجہ ہے کہ:

> "سردار اگرچہ کمیونسٹ پارٹی کے رکن تھے لیکن وہ بھی بہت سے کمیونسٹوں کی طرح پنڈت نہرو کے روحانی سوشلزم کے اسیر تھے۔ یہ کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ سردار جعفری اور ان کے حلقہ احباب نے ترقی پسند تحریک کو ایک ادبی اور سماجی تحریک سے زیادہ کانگریس کا ہمنوا بنا دیا۔ پرائم منسٹر ہاؤس کے لان پر نہرو کے ساتھ نہروئین سوشلزم (Nehruvian Socialism) کی چائے پیتے ہوئے کمیونسٹوں نے اپنے انقلاب کو شکر کی طرح گھول کر پی لیا تھا۔ جعفری صاحب کے اندر کے انقلابی نے پتہ نہیں کیسے ہندوستان کی سب سے بڑی ادبی تحریک کی شعلگی اور اپنے باغیانہ تیوروں کو نہرو کی شیروانی میں لگے گلاب کے تر و تازہ پھول کے ساتھ ٹانک دیا تھا۔"[۱۹]

علی سردار جعفری کی شخصیت اور جد وجہد کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو یہ تبصرہ اور تاثر خاصا انتہا پسندانہ معلوم ہوتا ہے۔ بات یوں ہے کہ ترقی پسند تحریک کی "شعلگی اور باغیانہ تیور" جو انگریز سامراج کے مقابل رہے، وہ

کیوں کر لازم ہے کہ آزادی کے بعد مقامی قیادت کے ساتھ بھی رہیں؟ سردار جعفری سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا کہ ایثار کا مسئلہ اور قربانی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ سردار جعفری ترقی پسند تحریک کا قدر آور ہیرو ضرور ہے لیکن یہ بالکل ضروری نہیں ٹھہرتا کہ ہمارا ہیرو لڑتا، ٹکراتا، سر پھوڑتا، شہید ہی ہو جائے۔ پنڈت کا میدان سیاست تھا، سو وہ اس میں کامیاب ہوئے، ملک کی قیادت ان کے حصے میں آئی۔ ایک بامراد ادبی و سماجی تحریک کے طور پر ترقی پسند تحریک کے لیے یہ کیونکر لازم تھا کہ وہ نو آزاد ملک کی قیادت سے بھی مبارزہ آرائی شروع کر دے؟ اگر مقتدر قیادت کو دنیا میں اپنا تاثر اور کمیونسٹ دنیا میں اپنی تصویر وضع کرنے کے لیے ترقی پسند تحریک کے سرکردہ قائدین کا تعاون درکار تھا تو خود ترقی پسند تحریک کی قیادت کو بھی ملکی تعمیر و تشکیل کے مراحل میں اپنے مزاحمتی کردار کو، جس حد تک مناسب خیال کیا جائے، بدل لینے میں بھی تامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔[۲۰] ابھی علی سردار جعفری کو ترقی پسند تحریک کا ہیرو کہا گیا ہے۔ سردار جعفری کے بعض ناقدین کو علم اور یقین ہونا چاہیے کہ ہر فلم کے آخر میں ہیرو مر ہی جائے، یہ لازم نہیں۔ آزادی کے بعد ترقی پسند تحریک کے بامراد ہونے کا اشاریہ نو آزاد مملکت میں اس تحریک کے کردار اور اثر و نفوذ کے ساتھ مشروط ہے۔ علی سردار جعفری کا وطن ہندوستان رہا۔ آزادی کے بعد ان کی مساعی کی کارگاہ ان کا اپنا ملک ہے، نہ صرف اپنا ملک بلکہ ملکی سرحدوں سے ماورا، انسان اور انسانیت ہے۔ خود سردار جعفری بھی اپنی پیکار مسلسل کے جواز کو عالم انسانیت کی ہمہ جہت فلاح، آزادی اور روشن خیالی کے ساتھ وابستہ خیال کرتے ہیں۔ علی سردار جعفری نے چونکہ اپنے فکر و خیال اور جہاں دانش کی بنیاد مابعد الطبیعیات کی بجائے طبیعیات پر استوار کی ہے تو ان کا لب و لہجہ اور انداز بیان سب ارضی معلوم ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے قد آور، بااثر مقصد اور کثیر التصانیف دانشور تھے۔ انھوں نے برصغیر کی تحریک آزادی سے متصل ایک پرامن، خوشحال، روشن خیال، آزاد منش، فلاحی معاشرے کا خواب دیکھا۔ ان کی جدوجہد ایک طرف انگریز سامراج کے خلاف تھی تو دوسری طرف فرسودہ جاگیرداری نظام، عدم مساوات اور ظلم، مذہبی تنگ نظری اور فرقہ واریت سے نجات کی جدوجہد تھی۔ ایک خوشحال اور روشن خیال زندگی کا خواب دونوں ملکوں میں ابھی تک اپنی تعبیر کی تلاش میں ہے، تعبیر کی یہ تلاش ترقی پسند تحریک کا اصل مقصد و مدعا خیال کی جانی چاہیے۔ ہاں یہ تو درست ہے کہ ہر خواب کی کوئی تعبیر بھی ہو، یہ ضروری نہیں۔ لیکن ہر بڑی تعبیر کے پیچھے ایک بڑے خواب کی تلاش ضروری ہے۔ ترقی پسند تحریک کا عزم اور جدوجہد ایک آزاد، روشن خیال اور برابری کی بنیاد پر استوار زندگی کی تشکیل کا خواب خیال کی جا سکتی ہے کہ جس کی حقیقی تعبیر کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ آپ بیتی، علی سردار جعفری، مشمولہ علی سردار جعفری شخصیت و فن، ص:۲۶

۲۔ آپ بیتی، علی سردار جعفری، ص:۲۶

۳۔ روشنائی، سجاد ظہیر، ص:۱۴۵

۴۔ علی سردار جعفری، شخصیت اور فن، ص: ۲۹

۵۔ روشنائی، سجاد ظہیر، ص:۱۴۶

۶۔ روحانی انقلاب کا آخری سالار، ساجد رشید، مشمولہ علی سردار جعفری شخصیت اور فن، ص: ۱۸۹

۷۔ روشنائی، سجاد ظہیر، ص:۱۴۰

۸۔ روشنائی، سجاد ظہیر، ص:۱۴۱

۹۔ ترقی پسند تحریک اور اردو شاعری، یعقوب یاور، ص: ۲۶۸

۱۰۔ علی سردار جعفری شخصیت و فن، ص: ۲۸۷

۱۱۔ سردار جعفری اور اقبال شناسی، مظہر جمیل، مشمولہ مجلہ افکار، سردار جعفری نمبر، ص: ۵۷۳

۱۲۔ سردار جعفری اور نیا تنقیدی شعور، پروفیسر قمر رئیس، مشمولہ مجلہ افکار، سردار جعفری نمبر، ص: ۴۶۰

۱۳۔ روشنائی، سجاد ظہیر، ص:۱۵۴

۱۴۔ ترقی پسند کے معمار، مقدمہ، پروفیسر قمر رئیس، ص: ۶۹

۱۵۔ میں اور میرا فن، علی سردار جعفری مشمولہ علی سردار جعفری شخصیت اور فن، ص: ۳۷۱

۱۶۔ کلیات علی سردار جعفری، مرتبہ علی احمد فاطمی، ص: ۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،۲۳۹

۱۷۔ جدید نظم: حالی سے میراجی تک، کوثر مظہری، ص: ۳۰۶

۱۸۔ سردار جعفری جلال و جمال تک، محمد علی صدیقی: مشمولہ مجلہ افکار، سردار جعفری نمبر، ص: ۴۶۴

۱۹۔ روحانی انقلاب کا آخری سالار، ساجد رشید، علی سردار جعفری شخصیت و فن، ص: ۱۹۰

۲۰۔ معروف مارکسی نقاد پروفیسر محمد حسن بیشتر ترقی پسند دانشوروں کے ۱۹۹۴ء میں وزیر اعظم کو ان کی سالگرہ کے بہانے مبارک باد دینے اور اس موقع پر بیان جاری کرنے پر سخت خفا اور مایوس ہوئے خاص شکوہ ان کو علی سردار جعفری سے تھا۔ انھوں نے اپنی ناراضگی اور تاسف کا اظہار ایک نظم بہ عنوان ابلیس کی مجلس شوریٰ لکھ کر کیا۔ یہ نظم ۱۳۱ اشعار پر مشتمل اور اس کے مکالمہ میں ابلیس کے ساتھ دو مرید محو گفتگو ہیں۔ اس سے پہلے کیفی اعظمی ابلیس کی مجلس شوری سجا چکے تھے۔ ان نظموں کا انداز و آہنگ اور ڈکشن اقبال سے متاثر و ماخوذ نظر آتا ہے۔

References in Roman Script

1. Aap Betee, Ali Sardar Jafri, Mashmoola Ali Sardar Jafri, Shaksiat wa Fun, Page: 26
2. Aap betee, Ali Sardar Jafri, Page: 26
3. Roshnai , Sajjad Zaheer, Page :145
4. Ali Sardar Jafri, Shaksiat aur Fun, Page: 29
5. Roshnai, Sajjad Zaheer, Page: 146
6. Ruhani Inqlab ka Akhri Salar, Sajid Rasheed, Mashmoola Ali Sardar Jafri Shaksiat aur fun, Page: 189
7. Roshnai, Sajjad Zaheer, Page: 140
8. Roshnai, Sajjad Zaheer, Page: 141
9. Taraqi Pasand Tehreek aur Urdu Shairi, Yaqoob Yawar, Page: 268
10. Ali Sardar Jafri Shakhsiat wa Fun, Page: 287
11. Sardar Jafri aur Iqbal Shanasi, Mazhar Jamil, Mashmoola Mujalla Ifkar, Sardar, Jafri Number, Page: 573
12. Sardar Jafri aur Nia Tanqeedi Shaoor, Prof. Qamar Rais, Mashmoola Mujalla Ifkar, Sardar Jafri Number Page: 460
13. Roshnai, Sajjad Zaheer, Page:154
14. Taraqi Pasand k Momar, Muqadma, Professor Qamar Raeed, Page: 69
15. Main or mera Fun, Ali Sardar Jafri Mashmoold Ali Sardar Jafri Shaksiat aur fun, Page: 371
16. Kuliat Ali Sardar Jafri, Muratba Ali Ahmed Fatmi, Page: 236, 237, 238, 239
17. Jadid Nazam: Hali sy mera ji tak, Kosar Mazhari, Page: 306
18. Sardar Jafri Jalal wa Jamal Tak, Muhammad Ali Siddiqi, Mashmoola Mujalla Ifkar, Sardar Jafri Number, Page: 464
19. Ruhani Inqlab ka Akhri Salar, Sajid Rashid, Ali Sardar Jafri Shaksiat wa fun, Page: 190
20. Maroof Marksi Naqad Professor Muhammad Hassan Beshtar

Taraqi Pasand Danishwaro k 1994 main Wazirazam ko in ki salgirah k bahany mubarakbad deny aor us moky par bian jari karny par sakht khafa aur mayoos huey khas shikwa ko ali sardar Jafri sy tha. Unho ny api naragzi aur tasf ka izhar ek nazam ba unwan Ibleek ki majlis shoora likh kar kia. Yeh nazam 31 ashaar par mushtamil aur aur us ka mukalma main Iblis k sath do mureed mehwe guftagu hain. Is sy pehly kefi Azmi Iblees ki majlis e shura saja chuky they. In nazmo ka andaz wa ahang aur Diction Iqbal sy mutasra makhooz nazar aaty hain.